ڈاکٹر ارشاد بیگم
استاد شعبہ اردو نمل یونیورسٹی، اسلام آباد۔

" آخرِ شب کے ہم سفر " کے نسوانی کرداروں کا تصور انقلاب

Dr. Irshad Begum
Faculty Urdu Department National University of Modern Language, Islamabad.

Concept of Revolution of the Feminine Characters of "Akhir e Shab ke Hamsafar"

Qurant ul Ain is an Urdu Novelist. She wrote novels in the perspectives of post-colonization of sub-continent. The story of this novel revolves around a revolutionary movement in Bengal. After critical analysis, we can observe many conflicts among the characters of this novel. All the feminine characters are very strong and dominant. They decide themselves and act like a heroine. They rebel the prevailing traditions of their society under a psychological conflict. They do not bother about the prevailing religious obligations. They do not follow the social values of their families and societies. They meet their tragically ending at the end. They have their own concept of revolution.

Key Words: *Urdu Novelist, Colonization, Bengal, Feminine Characters.*

آزادی کے بعد لکھنے والوں میں قرۃ العین حیدر کا نام کافی اہمیت کا حامل ہے۔ انھوں نے متنوع موضوعات پر لکھ کر اردو ادب کے دامن کو وسعت بخشی۔ ان کی تحریریں تقسیم ہند کے اثرات اور جاگیر دارانہ نظام کی خامیاں بیان کرنے کے ساتھ ساتھ استحصال زدہ طبقے کی بھی عکاس ہیں۔ وہ اپنے ناولوں ایک مصور کی طرح دکھائی دیتی ہیں۔ جو بہت ہی خوبصورتی کے ساتھ اپنے ماحول کی تصویر کشی کرتی ہیں۔ ان کی تصویریں اپنی زبانی اپنا حال بیان کرتی ہیں۔ عہدِ قدیم کی تاریخ ہو یا جدید معاشرت کے تضادات سب کو بلا جھجک بیان کرنے کا انھیں ہنر آتا ہے چونکہ انھوں نے خود تاریخ ہند کے کرداروں کو بدلتے دیکھا تھا اسی لیے انھوں نے نہایت استحقاق سے ان حالات و واقعات کو قلمبند کیا۔ جنھیں پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ ہم اسی عہد میں سانس لے رہے ہیں۔

قرۃ العین حیدر نے اپنے ناول "آخر شب کے ہم سفر" کا عنوان فیض احمد فیض کے معروف مصرعے "آخرِ شب کے ہم سفر فیض نہ جانے کیا ہوئے" سے اخذ کیا ہے۔ "آگ کا دریا" کے بعد یہ ناول ان کا بہترین شاہکار ہے۔ اس ناول کا موضوع بنگال کی دہشت پسند تحریک ہے۔ ناول کی کہانی کا دورانیہ ۱۹۳۹ء کے آس پاس سے لے کر قیام بنگلہ دیش ۱۹۷۱ء تک محیط ہے۔ اس ناول کے بے شمار کردار ایسے ہیں جنھوں نے برطانوی سامراج سے چھٹکارا پانے کے لیے آزادی کی تحریک میں حصہ لیا اور انقلاب لانے کی کوشش کی۔ البتہ نسوانی کرداروں میں تبدیلی لانے کا جذبہ نمایاں ہے۔ اس ناول کے چار نسوانی کردار (دیپالی، اوما، روزی اور یاسمین) زیادہ متحرک ہیں۔ ریحان دا اور دیپالی اس ناول کے مرکزی کردار ہیں۔ ریحان دا اشتراکی پارٹی کا لیڈر ہے۔ اس کی سیاسی سرگرمیاں منظرِ عام پر آنے کی وجہ سے اسے اشتہاری قرار دے دیا جاتا ہے۔ وہ اپنے ماموں قمر الزماں کی بیٹی جہاں آراء یعنی اپنی منگیتر سے شادی کرنے سے اس لیے انکار کرتا ہے کہ وہ انڈیا کی کمیونسٹ پارٹی کا ممبر بن چکا ہے۔ انقلابی ذہن رکھنے والی دیپالی کا تعلق بھی سیاسی گھرانے سے تھا۔ اس کے چچا دنیش چندر کو دہشت پسند تحریک کے مشہور کیس میں پکڑے جانے کی وجہ سے پھانسی کی سزا ہو گئی۔ دیپالی کے باپ کا تعلق کانگرس سے تھا اور وہ بھی جیل کاٹ چکے تھے۔ لیکن بھائی کی بے وقت موت نے ایسا دھچکا لگایا کہ ان کے دل میں سیاست سے نفرت پیدا ہو گئی۔ بھائی کی موت کے بعد وہ بیٹی کو قربان نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے بیٹی کو سیاست سے دور رہنے کا مشورہ دیا۔ دیپالی نے چچا کی موت کے بعد ٹھان لی کہ وہ اپنے چچا اور ان کے ساتھیوں کے خون کا بدلہ لے گی۔ وہ نوعمری میں ہی اس وقت تحریک میں شامل ہو گئی جب ریحان دا ایک بزرگ نورالرحمن کے روپ میں دیپالی کے گھر اس کے چچا کے متعلق تمام مواد لے گیا تاکہ وہ رسالہ شائع کر سکے۔ لیکن ایسا نہ ہو سکا کیونکہ اس غیر قانونی رسالے اور پریس پر چھاپہ پڑ چکا تھا۔ اس طرح ریحان دا اور ان کے ساتھی زیر زمین چلے گئے۔

دیپالی ہر طرح سے تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے کوشاں رہتی ہے اور اس تحریک کی کامیابی کے لیے کسی قسم کی بھی قربانی سے دریغ نہیں کرتی۔ حتیٰ کہ جب ریحان دا کو ساتھیوں سمیت فرار ہونے کے لیے روپوں کی کمی ہوتی ہے تو اس کمی کو پورا کرنے کے لیے دیپالی اپنی مرحومہ ماں کی "بالوچر" کی وہ نایاب ساڑھیاں چرا کر انقلاب کے حامی ساتھیوں کے حوالے کر دیتی ہے۔ تاکہ وہ انھیں بیچ سکیں۔ تحریک کے اہم معاملات کے سلسلے میں دیپالی کی ملاقات اوما سے ہوتی ہے۔ اوما بیرسٹر توش کمار کی بیٹی ہے۔ اس کا تعلق بنگال کے طبقہ اشرافیہ سے ہے۔ اوما دیپالی کے باپ سے جھوٹ بولتی ہے کہ وہ دیپالی کو چند روز کے لیے اپنے گاؤں یا میلا لے کر جا رہی ہے۔ اجازت مل جانے کے بعد وہ دیپالی کو ایک ملازمہ کے روپ دھار میں ڈی ایم کے بنگلے پر لے جاتی ہے۔ دیپالی وہاں کلثوم بن کر کام کرتی ہے تاکہ یہ معلوم کیا جا سکے کہ حکومت تحریک کے لیے اگلا قدم کیا اٹھائے گی؟ اوما کسی مذہب کی حمایتی نہیں۔ وہ نظام بدلنے کی متمنی ہے لیکن بعد

میں وہ سیاسی سرگرمیاں چھوڑ چھاڑ کر مذہب کا سہارا لیتی ہے یعنی اس کی ترجیحات میں شدت ہے. وہ جس نقطہ نظر کو اپنانا چاہتی ہے ٹوٹ کر اپناتی ہے۔ اوما کے کردار کے متعلق شہنشاہ مرزا رقمطراز ہیں:

---بلکہ وہی اوما دیبی جو انقلابی ہونے کے ناطے سخت لامذہبی نظریات حمایتی بھی تھیں، آخر عمر میں سخت مذہبی بن جاتی ہیں اور پوجا پاٹ کے ذریعے زندگی کا سکون حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ وہ جو نظام کو بدلنے کے خواب دیکھا کرتی تھیں اور اونچی اونچی آدرش وادی باتیں کیا کرتی تھیں، خود بھی اسی نظام کا ایک حصہ بن جاتی ہیں۔(۱)

دیپالی اور ریحان دا کو ایک دوسرے سے جذباتی لگاؤ ہو جاتا ہے اور وہ رشتہ ازدواج میں منسلک ہونا چاہتے ہیں۔ ریحان دا دیپالی سے ملاقات کی خاطر جھوٹ بولتا ہے کہ اہم میٹنگ کے سلسلے میں سندر بن آجاؤ۔ ان دنوں دیپالی موسیقی کے امتحان کے لیے شانتی نکتین میں ٹھہری ہوئی تھی۔ میٹنگ میں شمولیت کی خاطر دیپالی اپنے باپ کو ہر بار ایک نیا دھوکا دیتی ہے اور جھوٹ پر جھوٹ بولتی ہے وہ اپنے باپ کو خط لکھتی ہے:

بابا یہاں سے لوک گیت جمع کرنے والوں کی ایک ٹولی سینتھال پرگنہ کے گاؤں میں جا رہی ہے۔ انھوں نے مجھے بھی ساتھ چلنے کے لیے کہا ہے۔ کیونکہ یہ ٹور مری تھیوری آف میوزک، کے دوسرے پرچے کے لیے بہت کارآمد ثابت ہو گا۔ میں جلد ہی گھر پہنچنے کی کوشش کروں گی۔ آپ فکر نہ کیجیے۔ آپ کی بیٹی، دیپالی۔(۲)

دیپالی بھی ریحان دا کا بہت احترام کرتی تھی۔ اسی لیے وہ کچھ دن سندر بن میں اس کے ساتھ رہ جاتی ہے۔ وہ ریحان دا سے شادی بھی کر لیتی لیکن اس وقت ارادہ تبدیل کر لیتی ہے جب جہاں آراء کی الماری سے ریحان دا کی تصویر ملتی ہے جس کی پشت پر لکھا تھا شہزادی جہاں آراء بیگم کے حضور میں، ان کے ادنیٰ غلام بے دام کی طرف سے۔ دیپالی اپنی انقلابی سرگرمیوں کو خیر باد کہہ کر ویسٹ انڈیز چلی جاتی ہے اور ایک ہندو وکیل سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہو جاتی ہے۔ شمیم حنفی دیپالی کے کردار کے حوالے سے لکھتے ہیں:

دیپالی سرکار کا کردار ناول کی تفصیلات کو نظرانداز کرنے کے بعد بھی ہمارے حافظے میں پیوست ہو جاتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ قرۃ العین حیدر نے دیپالی سرکار کے عمل اور قصے کے ارتقا میں اس کے رول کے ساتھ ساتھ اس کی شخصی حیثیت یعنی کہ اس کے منفرد وجود کو بھی سامنے رکھا ہے۔ دیپالی سرکار خاموشی میں بھی گویا دکھائی دیتی ہے۔ اپنی سرگرمیوں میں یا مشاغل کے ذریعے

> وہ جو کچھ کہنا چاہتی ہے، اس کا ایک حصہ دیپالی سرکار کے موڈ اور اس کی شخصیت کے مجموعی آہنگ کی وساطت سے بھی سامنے آیا ہے۔۔۔ دیپالی سرکار کم سے کم لفظوں میں ہم سے بہت کچھ کہتی ہے اور اس لیے یہ کردار کے طور پر یاد رہتا ہے۔ اس کے کردار کی ایک نمایاں جہت یہ بھی ہے کہ ہندوستانی عورت کے بنیادی مقدرات کی طرف بھی اس میں کئی اشارے چھپے ہوئے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک مخصوص دور کی تاریخ، اس دور کا فکری اور جذباتی موسم اس دور کی روزمرہ زندگی کا منظر نامہ دیپالی سرکار کا کردار فراہم کرتا ہے۔ (۳)

روزی کے کردار کے مطالعہ سے عیاں ہوتا ہے کہ انقلاب کے جس بیج کو دیپالی نے بویا تھا۔ وہ روزی کی شکل میں تناور درخت بن گیا۔ روزی دیپالی کی قریبی سہیلی ہے اور تحریکی معاملات میں اس کی معاون ہے۔ اس کے ماں باپ کو روزی کی فرمانبرداری پر فخر تھا۔ اسی لیے پادری بسواس کے بیٹے کے لیے روزی کے شادی کے پیغام کو منظور کر لیا۔ جب پادری بسواس اور مسز بسواس اپنے بچوں کے ہمراہ بات پکی کرنے آئے تو ان کا آنا روزی کے لیے بم گرانے کے مترادف تھا۔ روزی شادی سے انکاری ہو گئی۔ اور سب گھر والوں سے قطع تعلق کر کے اپنے کمرے میں مقید ہو گئی۔ باپ نے اپنی عزت بچانے کے لیے بیٹی کو منانے کی بہت کوشش کی لیکن اس نے کہا کہ بے شک مجھے دریا میں ڈبو دیجیے لیکن میں اس کا لٹین سے شادی نہیں کروں گی۔ یہ مجھے پسند نہیں۔ باپ اور بیٹی میں بحث و تکرار کو مسز بسواس نے سن لیا۔ وہ سخت سیخ پا ہوئیں اور روزی کی سیاسی سرگرمیوں کو کچھ ان الفاظ میں بے نقاب کیا:

> مارجری سسٹر نے لکھا ہے لڑکی کی شہرت اچھی نہیں ہے۔ لڑکی کے ہندو بوائے فرینڈ ہیں۔ لڑکی کانگریسی اور کمیونسٹ ہو گئی ہے۔ (۴)

مسز بسواس کی باتوں نے روزی کے والدین کو پریشان کر دیا۔ وہ روزی سے ناراض ہو گئے۔ یہ ناراضگی اس لیے نہیں تھی کہ روزی نے رشتے سے انکار کر دیا تھا بلکہ یہ ناراضی روزی کی مشکوک سیاسی سرگرمیوں کے باعث تھی۔ تحقیق کے بعد ثابت ہوا کہ سسٹر مارجری کی تمام باتیں درست تھیں۔ والدین کو پتا چلا کہ:

> روزی بنرجی اکثر رات برات شہر کے کونوں کھدروں میں چند مفسد، فتنہ پرداز اور حکومت کے باغی اور غدار ہندو اور مسلمان نوجوانوں کے ساتھ دیکھی گئی تھی۔(۵)

روزی کا میل جول حکومت کے باغیوں کے ساتھ تھا۔وہ حاکم وقت کے خلاف ہر قسم کی کا روائیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھی۔ایک دن اخبار میں روزی کی گرفتاری کی خبر شائع ہو ئی کہ وہ پولیس چوکی پر حملہ کرتے ہوئے گرفتار کر لی گئی ہے۔پولیس کی فائرنگ سے بہت سے لوگ زخمی ہوئے جن میں روزی بھی شامل ہے۔پادری بنرجی اخبار لے کر ڈی ایم کے بنگلے پر چارلس بارلو سے ملتے ہیں اور ان سے بیٹی کی رہائی کے لیے گریہ و زاری کرتے ہیں۔پہلے تو چارلس بارلو نے انکار کر دیا۔لیکن بعد میں ان کے کہنے پر ان کی بہن مس بار لو چارلس روزی سے ملتی ہیں اور معافی نامے پر دستخط کرنے کا مشورہ دیتی ہیں۔ لیکن روزی ایسا کرنے سے انکار کر دیتی ہے۔دو تین دن بعد بنگالی افسر ربی کمار سانیال دو اور آفیسرز کے ساتھ ملنے آتے ہیں اور روزی کی دس ہزار کی ضمانت دے کر رہائی کرواتے ہیں اور روزی سے شادی کر لیتے ہیں۔روزی نے مذہب کی بھی پرواہ نہ کی۔ربی کمار سانیال ہندو تھے۔شادی سے پہلے روزی کا نام رادھیکا رکھا گیا۔شادی کرنے کے کچھ دن بعد روزی اپنے باپ کو Blessing کے لیے خط لکھتی ہے۔روزی دیپالی کو باپ کے جواب سے خط کے ذریعے آگاہ کرتی ہے:

> میں نے یسوع کا دامن چھوڑ کر ایک بت پرست کافر سے شادی کر لی۔اس وجہ سے وہ عمر بھر میری شکل نہ دیکھیں گے اور للی کاٹج کے دروازے میرے اوپر ہمیشہ کے لیے بند ہیں اور یہ کہ وہ میری روحانی نجات اور بخشش کے لیے برابر دعا کرتے رہیں گے۔(۶)

روزی ایک رئیس زادے سے شادی کے بعد کافی مغرور ہو جاتی ہے۔بیٹے کی پیدائش کے بعد روزی والدین سے ملنے للی کاٹج جاتی ہے۔نواسے کو دیکھ کر نانا کا دل پسیج جاتا ہے اور وہ اسے دعائیں دیتے ہیں۔روزی امارت کے نشے میں شاید خونی رشتوں کو بھلا چکی تھی۔اس لیے وہ اپنے شوہر کو والدین سے نہیں ملواتی اور خود بھی دوبارہ ماں باپ سے ملنے نہیں جاتی۔پادری بنرجی بیٹی کی راہ تکتے تکتے چل بستے ہیں۔باپ کی وفات کے بعد وہ ماں کو اپنے گھر آنے کی دعوت دیتی ہے۔لیکن وہ انکار کر دیتی ہیں۔دو سال بعد ماں بھی اس جہانِ فانی کو چھوڑ جاتی ہے۔روزی کے بارے میں اختر پیامی لکھتے ہیں:

یہی باغی عیسائی لڑکی ایک جلوس کی قیادت کرتی ہوئی پولیس چوکی پر حملہ کرتی ہے اور پھر ڈسٹرکٹ جیل کے زنانہ وارڈ میں پہنچا دی جاتی ہے اور پھر وہ روزی بینرجی سے رادھیکا روزی سانیال بن جاتی ہے اور بڑی ڈھٹائی اور بے شرمی کے ساتھ دیپالی کو لکھتی ہے۔"چنانچہ اب میں جہاں آرااور اومارائے والے اس اونچے طبقے میں شامل ہو چکی ہوں جس پر مجھے اپنے احساسِ کمتری کی وجہ سے اتنا رشک آیا کرتا تھا۔" روزی پر للی کاٹج کے دروازے بند ہو چکے ہیں مگر وہ خوش ہے۔(۷)

روزی کے کردار کے مطالعہ کے بعد یوں محسوس ہوتا ہے کہ آزادی کی تحریک میں حصہ لینے انقلابی ذہنیت کی حامل لڑکی کچھ نفسیاتی الجھنوں کا بھی شکار ہے وہ اپنی زندگی، اپنے طبقے اور اپنے ماحول سے برگشتہ ہے۔وہ ان حدود و قیود کو توڑنا چاہتی ہے۔اس کے دل میں انحراف کے رویے جنم لیتے ہیں اور جہاں موقع ملتا ہے وہ ان کا اظہار کرتی ہے۔یہ اظہار نہ صرف زبانی طور پر ہے بلکہ وہ اپنے اعمال و افعال کے ذریعے بھی اپنی نفسیاتی الجھنوں کا اظہار کرتی ہے۔روزی کے کردار کے بارے میں ڈاکٹر اختر پرویز لکھتے ہیں:

روزی کا کردار ایسا ہے جس میں دوسرے کرداروں کی نسبت الجھنیں کہیں زیادہ ہیں۔ وہ اپنے خاندانی پس منظر اور معاشی بدحالی کے سبب اپنی سہیلیوں کے مقابلے میں احساسِ کمتری کا شکار رہتی ہے۔وہ چاہتی ہے کہ وہ بھی اپنی دیگر ہم جولیوں کی طرح ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ زندگی گزارے۔اسے بھی زندگی کی جملہ آسائشیں میسر ہوں، یہی وجہ ہے کہ جب بسنت کمار سے شادی کرنے کی صورت میں اسے سماجی مرتبہ اور زندگی کی آسائشیں اور سہولتیں ملتی نظر آتی ہیں، تو وہ مذہب، والدین اور پارٹی وغیرہ سب کو چھوڑ چھاڑ کر شادی کر لیتی ہے اور اپنے محرومیوں سے بھرپور تلخ ماضی کو بھول کر اسی بورژوائی طبقے میں ایڈجسٹ ہونے کی کوشش کرتی ہے۔(۸)

اس ناول کا ایک کردار یاسمین مجید ہے۔یاسمین مولوی عبدالمجید کی ایسی خود سر بیٹی ہے جو تمام مذہبی و معاشرتی اقدار کو توڑ کر ڈانسر بننا چاہتی ہے۔یاسمین روزی سے ٹیوشن پڑھتی ہے۔اس ناطے سے اس کی اور دیپالی کی جان پہچان بھی ہو جاتی ہے۔یاسمین نچلے طبقے سے اونچے طبقے میں جانے کی آرزو مند

ہے۔وہ اپنی ذات کے لیے انقلاب لانے کی کوشش کرتی ہے۔کسی بھی سطح پر انقلاب لانے کے لیے بغاوت ضروری ہے۔یاسمین اپنی بغاوت کے بارے میں دیپالی سے برملا اظہار یوں کرتی ہے:

> پارٹیشن سے ذرا پہلے میں اپنے کٹر مذہبی قدامت پرست مولوی والد اور سارے گھر والوں سے بغاوت کر کے ایک اسکالر شپ پر بھرت ناٹیم سیکھنے مدراس چلی گئی۔(۹)

یاسمین اپنی خود سری کی وجہ سے ایک دن رقاصہ بن ہی جاتی ہے لیکن شاید اس کی باغیانہ طبیعت نے رقاصہ بننے پر اکتفا نہ کیا اور اس نے ایک انگریز فیشن ڈیزائنر جیرلڈ ایڈرین بلمونٹ سے شادی کر لی۔میاں کی اچھی آمدنی کی وجہ سے اس نے رقص ترک کر دیا۔ان دونوں کی شادی بھی فرضی ہی تھی جو نشے میں دھت ہو کر کی گئی۔ایک بے دین دوست جو پہلے کبھی مولوی رہ چکا تھا نکاح خوانی کے فرائض اس نے ادا کیے۔یاسمین کے ہاں ایک بیٹی نے جنم لیا جس کا نام شہر زاد رکھا گیا۔ایک دن جیرلڈ بن بتائے یاسمین کے ٹروپ ہی کے بنگالی رقاص کے ساتھ اسپین بھاگ جاتا ہے۔یاسمین نے جب طلاق کا مطالبہ کا کیا تو جیرلڈ نے خط لکھا:

> شادی ہی کب ہوئی تھی۔مولوی اور گواہ سب نشے میں دھت تھے۔وہ نکاح نہیں تھا مذاق تھا۔علاوہ ازیں ہم نے بلحاظ برطانوی قانون سول میرج نہیں کی لہٰذا بچی کی پرورش کی ذمے داری بھی مجھ پر عائد نہیں ہوتی۔(۱۰)

اس سانحے کے بعد یاسمین اپنی بیٹی کو ساس کے حوالے سونپ کر اس فرض سے بھی سبکدوش ہو جاتی ہے۔جیرلڈ کی ماں بچی کو اس شرط پر لے گئی کہ وہ اسے رومن کیتھولک اٹھائیں گی۔یاسمین نے اس موقع پر ایک اور باغی قدم اٹھایا یعنی بجائے کہ وہ بچی کو مسلمان بناتی اسے خود ہی اپنی اجازت سے عیسائی بنوا دیا اور ساس سے کہا:

> رومن کیتھولک کیا ہوٹن ٹوٹ ہشنتو،بدھیسٹ کچھ بھی بنا دیجیے۔اسے میری طرح دھکے تو نہ کھانے پڑیں۔(۱۱)

بیٹی کو ساس کے حوالے کرنے کے بعد یاسمین ایک دفتر میں کلرکی کے فرائض سرانجام دینے لگی۔یاسمین کو جب اپنی غلطیوں کا احساس ہوتا ہے اور ضمیر اسے ملامت کرتا ہے تو بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے۔یاسمین کا اعتراف جرم اس کی ڈائری میں رقم ہے جو اس کے مرنے کے بعد اس کی بیٹی کو ملتی ہے۔یہ

ضمیر کی خلش ہی تھی کہ اس نے اپنی متاعِ جاں کو لہروں کے حوالے کر دیا اور ڈوب کر اس جہاں سے رخصت ہو گئی۔ڈائری میں درج اس کا اعترافِ جرم کچھ یوں ہے:

> توبہ۔توبہ اللہ معاف کرنا۔اللہ تجھ پر میرا سارا حال روشن ہے۔میرے گناہوں کو معاف کرنا، تو غفور ورحیم ہے۔میں نے بہت نافرمانیاں کیں اپنے حافظِ قرآن مولوی باپ کو صدمہ پہنچایا۔اسٹیج پر ناچی گائی۔مشرک سے بیاہ کیا۔وہ بھی جائز نکاح ہی نہ تھا۔بیٹی کو عیسائی بنوا دیا۔اللہ میں تیرے غضب کے خوف سے تھر تھر کانپتی ہوں۔مجھے عذابِ قبر سے بچائیو۔اللہ تجھے اپنے حبیب ﷺ کا واسطہ۔ (۱۲)

یاسمین کا انجام افسوسناک ہے کیونکہ اس نے اپنی خودسری سے نہ صرف اپنی زندگی کو تباہ کر ڈالا۔بلکہ اپنی بیٹی کو بھی اچھی زندگی سے محروم رکھا اور رضا مندی سے عیسائیت اپنانے دی۔ماں کی آزادہ روی کی سزا بیٹی کو بھگتنا پڑی اس کا مذہب بھی بدل گیا اور ذریعہء معاش بھی ماڈلنگ ہی بنا۔ڈاکٹر اختر پیامی یاسمین کے کردار کے بارے میں رائے دیتے ہیں:

> یاسمین کا تعلق ایک مولوی گھرانے سے ہے۔وہ ااپنے خاندان روایات پر عمل پیرا ہونے کی بجائے رقص کی دلدادہ ہے۔رقص سے اس کا جنون کی حد تک لگاؤ، اسے والدین اور خاندانی روایات سے بغاوت پر اکساتا ہے۔وہ رقص کو مقصدِ حیات بنا لیتی ہے۔اس کی خاطر وہ وطن کی دھرتی چھوڑ کر بیرونی ممالک کا سفر اختیار کرتی ہے۔وہاں وہ اپنے فن کا مظاہرہ کرتی ہے اور دولت اور نام دونوں چیزیں کماتی ہے۔جب وہ انگلستان میں ایک انگریز فیشن ڈیزائنر بلونٹ سے شادی کر لیتی ہے۔۔۔آخر کار زندگی سے مایوس ہو کر خودکشی کر لیتی ہے۔اس کا انجام ایک کرب ناک المیے کو جنم دیتا ہے۔(۱۳)

"آخرِ شب کے ہم سفر" کا موضوع چونکہ بنگال کی انقلاب پسند تحریک سے متعلق ہے اس لیے اس میں انقلابی کرداروں کا ہونا ناگزیر تھا۔قرۃ العین حیدر نے اس میں کئی کردار دکھائے جن میں انقلاب کی آرزو اس قدر زیادہ اور شدید ہے کہ وہ اپنی اپنی سطح پر اپنے ماحول اور حالات سے بغاوت کرتے ہیں۔سب سے نمایاں کردار دیپالی سرکار کا ہے۔اس کا خاندان پہلے ہی سیاسی اور انقلابی سرگرمیوں میں شامل تھا۔اس

لیے اس میں انقلاب کے حصول کا جذبہ شدید تر ہے۔اسی طرح روزی کے کردار نے بھی اپنے حالات سے بغاوت کر کے نچلے طبقے سے اونچے طبقے میں جانے کی کوشش کی اور کامیابی بھی پائی۔یاسمین مجید کا کردار بھی اسی طرح کی بغاوت کا مظاہرہ کرتا ہے۔مجموعی طور دیکھیں تو ایک بات جو ناول نگار نے خاص طور اجاگر کی ہے یہ ہے کہ بغاوت پر آمادہ کردار زیادہ تر لڑکیوں کے ہیں۔یہ کردار ملک اور قوم کی سطح پر انقلاب برپا کرنے سے زیادہ اپنی ذاتی زندگی میں انقلاب لانے کے متمنی ہیں اور جب اس منزل کو حاصل کر لیتے ہیں۔تو ان کے انقلابی جذبے بھی سرد پڑ جاتے ہیں۔روزی بغاوت کے بعد آخر کار والدین سے مفاہمت کی کوشش کرتی ہے۔یاسمین مجید شوہر سے دھوکا کھانے کے بعد ہاری ہوئی زندگی گزارتی ہے اور آخر کار موت کو گلے لگا لیتی ہے۔یوں مجموعی طور پر اس ناول کے کرداروں کی زندگی کا اختتام کسی حد تک نا آسودگی پر ہوتا ہے اور تقریباً تمام کردار اپنی بغاوت کا خمیازہ بھگتتے ہیں۔یوں قرۃ العین حیدر کی کردار نگاری حقیقت کے قریب تر نظر آتی ہے۔ڈاکٹر سید جاوید اختر لکھتے ہیں:

> "آخرِ شب کے ہم سفر" میں قرۃ العین حیدر کی کردار نگاری اپنے فن کے عروج پر ہے۔اس ناول کا ہر کردار ہماری زندگی کا جیتا جاگتا فرد ہے۔وہ اپنی معصوم مسرتوں اور المناک رنجوں کے ساتھ حیات کے ورق پلٹتا ہوا اپنے انجام کو پہنچتا ہے۔اس کی نفسیات، عقیدہ، فکر اور عمل سب کچھ ویسا ہی ہے جیسا کہ ہونا چاہیے۔(۱۴)

قرۃالعین حیدر کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ قدیم ہندوستانی تاریخ ہو یا ماڈرن تہذیب، بودھی تہذیب ہو یا اسلامی تہذیب سب کو بہت خوبصورتی سے بیان کرتی ہیں۔وہ ماضی سے حال اور حال سے ماضی کا رابطہ استوار رکھتی ہیں۔انھی خصوصیات کے باعث ناول نگاری کی دنیا میں ان کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔

حوالہ جات

۱۔ شہنشاہ مرزا ، آخرشب کے ہم سفر۔ایک تجزیہ، مشمولہ قرۃالعین حیدر اردو فکشن کے تناظر میں، مرتبین ڈاکٹر ممتاز احمد خان و دیگر،فضلی بک اردو بازار، کراچی، جنوری ۲۰۱۸ء، ص ۱۸۹

۲۔ قرۃالعین حیدر، آخرشب کے ہم سفر، چودھری اکیڈمی، لاہور، س ن، ص۱۰۱

۳۔ شمیم حنفی، ڈاکٹر، آخرشب کے ہم سفر کا کردار، دیپالی سرکار، ایک جائزہ، مشمولہ قرۃالعین حیدر ایک مطالعہ، مرتبہ: سید عامر سہیل و دیگر، بیکن بکس، ملتان، ۲۰۰۳ء، ص ۳۳۴

۴۔ قرۃالعین حیدر، آخرشب کے ہم سفر، چودھری اکیڈمی، لاہور، س ن، ص ۸۸

۵۔ ایضاً، ص ۹۵

۶۔ ایضاً، ص ۲۷۹

۷۔ اختر پیامی، آخر شب کے ہم سفر پر ایک تنقیدی نظر مشمولہ روشنائی، کراچی، قرۃالعین حیدر نمبر، جلد نمبر ۹، شمارہ ۳۴، جولائی تا ستمبر ۲۰۰۸ء، ص ۱۰۳

۸۔ اختر پرویز، ڈاکٹر، آخر شب کے ہم سفر پر ایک تنقیدی نظر، مشمولہ قرۃالعین حیدر ایک مطالعہ، مرتبہ: سید عامر سہیل و دیگر، بیکن بکس، ملتان، ۲۰۰۳ء، ص ۳۴۷

۹۔ قرۃالعین حیدر، آخرشب کے ہم سفر، چودھری اکیڈمی، لاہور، س ن، ص ۳۱۶

۱۰۔ ایضاً، ص ۳۲۶

۱۱۔ ایضاً، ص ۳۲۷

۱۲۔ ایضاً، ص ۳۳۵، ۳۳۶

۱۳۔ اختر پیامی، آخر شب کے ہم سفر پر ایک تنقیدی نظر مشمولہ روشنائی، کراچی، قرۃالعین حیدر نمبر، جلد نمبر ۹، شمارہ ۳۴، جولائی تا ستمبر ۲۰۰۸ء، ص ۳۴۷

۱۴۔ سید جاوید اختر، ڈاکٹر، اردو کی ناول نگار خواتین، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص ۴۲۱